مطبوعات

تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اوّل اور دوم | تالیف مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی ناشر: دارالمصنفین اعظم گڑھ (بھارت) صفحات حصہ اول ۳۱۲ قیمت -/۶ روپے، حصہ دوم ۳۸۹ قیمت ۶/۸ روپے۔

اس بیش قیمت تصنیف کے مصنف مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی کی شخصیت کسی طرح بھی محتاج تعارف نہیں۔ ان کی علمی اور دعوتی سرگرمیوں سے نہ صرف پوری دنیائے اسلام آشنا ہے بلکہ ان کی معترف بھی ہے۔ وہ ایک جید عالم اور عربی اور اردو کے بہترین انشا پرداز ہونے کے ساتھ ساتھ بصیرت مومن اور دلِ بیتاب بھی رکھتے ہیں۔ ان کی تصنیفات جہاں معلومات کے اعتبار سے بلند اور وقیع ہیں، وہاں مسلمانوں کے اندر پھیلے ہوئے بہت سے فتنوں کی بھی بیخ کنی کرتی ہیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب ان حقائق کی پوری طرح آئینہ دار ہے۔ اس میں اگر ایک طرف عالم اسلام کی اصلاحی و تجدیدی کوششوں کا تاریخی جائزہ، نامور مصلحین اور مجددانہ اصحاب دعوت و عزیمت کا مفصل تعارف اُن کے علمی و عملی کارناموں کی روداد اور اُن کے اثرات و نتائج کا تذکرہ ہے تو دوسری طرف اس میں ان بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ہے جو مسلمانوں میں تاریخِ اسلام اور فلسفۂ تاریخِ اسلام کے بارے میں بالعموم پائی جاتی ہیں۔

مغرب کے فکری اور علمی اثرات نے ہمارے اندر جس قسم کا تاریخی ذوق پیدا کیا ہے وہ بڑا غلط اور دینی نقطۂ نظر سے بالکل بیکار ہے۔ ایک مسلمان جب اپنی تاریخ کا مطالعہ کرتا ہے تو اسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے جلیل القدر رفقائے کار کے بعد امت مسلمہ کی پوری تاریخ محض ایک خلا یا لق و دق صحرا ہے جس میں کہیں ایک دوسرے سے بہت دُور انسانی عظمت کے کچھ نشانات پائے جاتے ہیں۔ اس کتاب نے اس غلط تاثر کو جو دانائے فرنگ نے بعض مخصوص مقاصد کے پیشِ نظر مسلمانوں کے ذہنوں میں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، کافی حد تک دُور کیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی ایک مسلسل فکری اور اصلاحی تاریخ ہے جس کا ہر حلقہ دوسرے سے وابستہ ہے۔ اس میں کوئی خلا نہیں۔ اس امت پر کوئی دور بھی ایسا نہیں گزرا جس میں اسلام کی حفاظت یا

تجدید و تقویت کی خدمت انجام نہ دی گئی ہو، جس میں غلط رجحانات کی اصلاح اور فتنوں کا سدباب نہ کیا گیا ہو اور اسلام کے فکری اور عملی ذخیرہ میں کوئی قابلِ قدر اضافہ نہ ہوا ہو۔ اس تالیف سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اصل خلا اسلام کے سلسلۂ دعوت و اصلاح میں نہیں بلکہ تاریخ اسلام کی ترتیب میں ہے۔

ایک مسلمان جس تاریخ سے عام طور پر واقف ہے اُس کا انداز بڑا ہی عجیب و غریب ہے۔ سب سے پہلے سرورِ دو عالم اور اُن کے عظیم المرتبت ساتھیوں کی زندگیاں اور ان کے کارنامے پیش کیے جاتے ہیں۔ اس دور کے بارے میں مسلمانوں کے ذہن میں کوئی زیادہ الجھن پیدا نہیں ہوتی۔ یہ مقدس ہستیاں امتِ مسلمہ کی ایک بہت بڑی اکثریت کی نظر میں ایسی ہیں جن کی عظمت کے نہ صرف مسلمانوں کے دماغ قائل ہیں، بلکہ جن کی محبت سے اُن کے دل بھی معمور ہیں۔ مگر ان بزرگ و برتر شخصیتوں کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ہماری تاریخ کا محور و مرکز وہ حضرات بنتے ہیں جو یا تو بادشاہ تھے یا بادشاہ گر۔ ان حضرات میں بہت تھوڑی تعداد کو چھوڑ کر ایسے لوگ پیدا ہوئے جن کی شمشیر زنی، وجاہت، قوت و اختیار کو تو بلاشبہ ایک دنیا مانتی اور تسلیم کرتی ہے مگر مسلمانوں کے دلوں میں اُن کا وہ عزت و احترام نہیں جو ایک قوم کے دل میں اسلاف کا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان مستقل اقدار کا حامل ہے، اُس کا ایک مخصوص اسلوبِ حیات ہے، اس کا ایک الگ نصب العین ہے۔ وہ زندگی کے سارے واقعات و حوادث کو، وہ اس دنیا کی چھوٹی بڑی ، تمام شخصیتوں کو، وہ اپنے ماضی، حال اور مستقبل کو اسی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس بنا پر اُس کے لیے یہ چیز قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ کوئی شخص بوریا نشین ہے یا بادشاہ اُس کی محبت اور عقیدت کا معیار صرف ایک ہے ــــ کوئی شخص کس حد تک اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع اور فرمانبردار ہے۔ اور جو شخص بھی جس نسبت سے اس معیار پر پورا اترتا ہو اُس کی دنیاوی حیثیت خواہ کچھ ہی ہو ــــ وہ اس کے نزدیک اسی تناسب سے محبت اور احترام کے لائق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے بادشاہوں کی بجائے "فقیروں" سے محبت کی ہے۔ دربار و ایوان میں رہنے والوں کی بجائے اُن لوگوں کا احترام کیا ہے جو جھونپڑوں اور خانقاہوں میں رہتے تھے۔ اس کتاب

کو پڑھنے کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے مسلمانوں کے لیے یہ چیز سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتی کہ کسی شخص کا دنیاوی مرتبہ اور مقام کیا ہے۔ اُس کے لیے ایک ہی ترازو ہے اور ایک ہی پیمانہ، اور وہ ہے اسلام۔ اور اسی کے مطابق وہ ہر شخص کو تولتا اور اس کے اعمال کو جانچتا ہے۔

اس کتاب کا مطالعہ ایک دوسرے نقطۂ نظر سے بھی نہایت مفید اور کارآمد ہے۔ اسے دیکھنے کے بعد ہمیں آسانی سے پتہ چل سکتا ہے کہ مختلف ادوار میں مختلف مصلحین نے حالات و واقعات کے پیش نظر اسلام کی مدافعت اور ترقی کے لیے جو طریقے اختیار کیے وہ کہاں تک مفید اور کارآمد ثابت ہوئے۔ ان سے ہم بہت کچھ سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

تبصرہ نگار کا ہمیشہ سے ہی یہ خیال ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ کو از سر نو مرتب کرنا چاہیے اور خالص اسلامی نقطۂ نظر سے افراد اور واقعات کا جائزہ لینا چاہیے۔ مقام شکر ہے کہ مولانا ابوالحسن صاحب نے اس طرف ایک ایسا عملی قدم اٹھایا ہے جو نہ صرف نہایت مفید ہے بلکہ مستقبل میں کام کرنے والوں کے لیے ایک نشانِ راہ یا سنگِ میل کا کام دے سکتا ہے۔ تبصرہ نگار جب اس کتاب کو ختم کر چکا تو اسے یوں محسوس ہوا کہ ایک بہت بڑے آفتاب نے چند شمعیں فروزاں کیں جو اپنی تابناکی میں بے مثال تھیں۔ ان شمعوں سے پھر دوسرے چراغ روشن ہوئے اور یہ چراغ انسانیت کی لمبی شاہراہ پر آج تک جگمگا رہے ہیں، ان چراغوں کے گو مختلف رنگ ہیں مگر ان سب نے ایک ہی آفتاب سے نور حاصل کیا ہے۔ ان کی ضیا پاشیاں بڑی خاموشی سے اس بات کا اعلان کر رہی ہیں ؎

یک چراغیست دریں بزم کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

کتاب کی پہلی جلد میں پہلی صدی ہجری سے لے کر نویں صدی ہجری تک کی روداد اصلاح و دعوت درج ہے۔ شخصیتوں کے اعتبار سے سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ سے لے کر مولانا جلال الدین رومی تک اصحابِ دعوت و عزیمت کا تعارف اور اُن کے مصلحانہ و اولوالعزمانہ کارناموں کی تفصیل آگئی ہے۔ دوسری جلد میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی سوانح حیات اور اُن کے تلامذہ اور اُن کے وسیع کارنامے